قرآن کریم کا اسلوب ہدایت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ نومبر ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت قرآنی تلاوت فرمائی:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ (المائدہ:۱۰۶)

اور پھر فرمایا:

قرآن کریم ہدایت کی ایک ایسی کتاب ہے کہ جو ہر اس انسان کو جو اس سے ہدایت چاہتا ہے پہلے قدم سے لے کر اس کے منتہا تک ہدایت کے تمام اسلوب سکھاتی چلی جاتی ہے اور ہر قدم پر ساتھ دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی راہنما کتاب ہے جو منازل کے تمام خطرات سے واقف ہے اور ہر قدم پر جس قسم کے ابتلا مسافر کو یا سالک کو پیش آ سکتے ہیں ان سے بکلی باخبر ہے اور ہر اس مسافر کو جو راہ ہدایت کا مسافر ہے اور قرآن کریم سے راہنمائی چاہتا ہے ہر خطرہ سے وقت پر آگاہ کرتی چلی جاتی ہے اور اس سے بچنے کے طریق سکھلاتی چلی جاتی ہے، نئے حوصلے عطا کرتی چلی جاتی ہے۔ غرضیکہ ایک لمحہ کے لئے بھی راہ سلوک پر چلنے والے کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔

جب ہم اس پہلو سے قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو **حسبنا کتاب اللہ** کا معنی خوب سمجھ آ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ان کے لئے جو اس سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں پورے

خلوص، تقویٰ اور اس عزم کے ساتھ کہ ہم اس کی بتائی ہوئی راہوں پر لازماً چلیں گے ایسے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لوگوں کے لئے یہ ہر لحاظ سے کافی ہے اور اس کے بعد کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی۔

جہاں تک ہدایت پر چلنے والوں کا تعلق ہے سب سے پہلا اور اہم سوال جوان کے سامنے اٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ ہماری ہدایت کے بارے میں فیصلہ کرنے کا کس کو اختیار ہوگا؟ ہم کیسے ہدایت یافتہ شمار ہوں گے اور کیسے گمراہ لکھے جائیں گے؟ کوئی اس کے لئے معین اسلوب تو ہونا چاہئے۔ **من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ** ۔ دیکھو ہدایت کا فیصلہ کرنا خدا نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور تم اس بارے میں بے نیاز ہو جاؤ کہ دنیا تمہیں کیا کہتی ہے۔ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے نہ یہ استطاعت دی نہ یہ طاقت عطا فرمائی اور نہ ہی اس کا یہ منصب مقرر فرمایا ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے۔ جسے اللہ ہدایت یافتہ قرار دے گا وہی ہدایت یافتہ ٹھہرے گا، وہی ہدایت یافتہ قرار پائے گا اور جسے اللہ گمراہ کہے گا دنیا کی ساری طاقتیں بھی اس کے ہدایت یافتہ ہونے کا فتویٰ دیں تب بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیسی عظیم کتاب ہے جو پہلے قدم پر ہی ہر غیر اللہ سے آزاد کر دیتی ہے اور فرماتی ہے کہ تم اپنے خدا کی طرف نگاہیں رکھنا، خدا کی طرف اپنے خیالات اور جذبات کا رخ موڑے رکھنا اور یاد رکھنا کہ اگر خدا نے تمہیں گمراہ قرار دے دیا تو پھر اگر تمہیں دنیا کی طاقتیں ہدایت یافتہ کہیں گی بھی تو تمہارے کسی کام کی نہیں اور اگر خدا کے نزدیک تم ہدایت یافتہ رہو گے تو پھر تمہیں کوئی خوف نہیں، کوئی خطرہ نہیں، تم لازماً ہدایت یافتہ ہو۔

قرآن کریم کی اس تعلیم میں جو مزید خوبیاں ہیں اگر آپ غور کریں تو وہ اور بھی کھلتی چلی جاتی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ انسانوں کو یہ اختیار دیتا کہ کسی کو ہدایت یافتہ قرار دیں یا کسی کو گمراہ لکھ دیں اور پھر اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ بھی پابند ہو جاتا کہ اس کے مطابق ہی فیصلہ کرے تو دنیا میں تو انسان کا یہ حال ہے کہ اسے خود اپنی بھی خبر نہیں، اپنے نفس سے بھی واقف نہیں ہے، وہ غیروں کے حالات کیسے جان سکتا ہے، وہ دوسروں کے دلوں میں کب جھانک کر دیکھنے کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ یہ فیصلہ دے سکے کہ فلاں گمراہ ہے اور پھر ہدایت اور گمراہی سے متعلق فیصلہ دینے سے پہلے جن تفاصیل کی ضرورت ہے وہ اتنی زیادہ ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان اور بڑے سے بڑا محقق بھی ان تمام تفاصیل پر نظر

کر کے صحیح فیصلہ نہیں دے سکتا۔ کس معاشرہ میں کوئی پیدا ہوا، کن حالات میں وہ پروان چڑھا، اس کے پس نظر میں کیا بدیاں اور نیکیاں تھیں اور ان سارے حالات میں اس کو ہدایت کا پیغام کیسے پہنچا، وہ مؤثر طریق پہ پہنچا یا غلط طریق پہ پہنچا، اس کے طبعی نتائج کیا مترتب ہونے چاہئیں تھے۔ یہ چند سوالات ہیں جن کی آگے بے شمار شاخیں ہیں اور ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص بظاہر ہدایت پر نہ ہو لیکن خدا کے نزدیک وہ گمراہ نہ لکھا جائے کیونکہ جس چیز کو وہ دیانتداری سے ہدایت سمجھتا ہے اس پر دیانتداری سے عمل پیرا ہو۔ چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس پہلو پر بھی روشنی ڈال رہی ہیں اور نہ سمجھنے والے ان سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور بعض دفعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو قرآن کریم نے یہود اور نصاریٰ کو یہ کہا کہ تم اپنی کتابوں پر عمل کرو، تو جب عمل کے متعلق تلقین فرمائی تو پھر لازماً وہ کتابیں سچی تھیں پھر کسی اور عمل کی کیا ضرورت ہے حالانکہ یہ ضرورت ہے اور مراد یہ تھی کہ تمہاری دیانتداری اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کو تم ہدایت سمجھتے ہو اس پر ضرور عمل کرو اور اگر تم خدا تعالیٰ کے نزدیک متقی شمار ہو گے اور خدا تعالیٰ یہ یقین کرے گا اور یہ علم رکھتا ہو گا کہ تم ہدایت پانے کے اہل نہیں تھے یا وہ وسائل تمہیں میسر اور مہیا نہیں تھے جن کے نتیجہ میں ایک انسان ہدایت پا سکتا ہے لیکن جہاں تک تمہارا بس تھا، جہاں تک تمہارے اندر صلاحیتیں ودیعت فرما رکھی تھیں تم نے پوری سچائی اور دیانتداری سے جسے سچ سمجھا اس پر عمل کیا۔ تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ تم سے شفقت اور عفو کا سلوک فرمائے گا۔ یہ ہے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم!

پس ہدایت بھی مختلف قسم کی ہیں اور ہر انسان کے ہدایت پانے کے وسائل بھی مختلف قسم کے ہیں اور ہر دوسرے انسان سے اس کا پس منظر مختلف ہے، قوموں کے پس منظر مختلف ہیں۔ بعض ایسی قومیں ہیں جو ہزاروں سال سے موجود ہیں لیکن ان میں اب تک دین کا پیغام ہی نہیں پہنچا اور درحقیقت انہیں مہذب دنیا میں شمار ہونے والے کسی بھی مذہب کی طرف سے پیغام نہیں پہنچایا گیا۔ ایسی قوموں سے متعلق اگر انسان فیصلہ کرتا تو وہ بے چاری تو گمراہ شمار کر کے تباہ و برباد کر دی جاتیں اور ہر مذہب والا یہی فیصلہ کرتا کہ یہ گمراہ ہیں۔ بعض قوموں کے متعلق بعض مذاہب یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ یہ گمراہ ہیں لیکن بعض بدقسمت قومیں ایسی ہیں جن سے متعلق ہر مذہب کی انگلی اٹھتی ہے کہ یہ یقیناً گمراہ ہیں۔

پس اول تو قرآن کریم نے انسان کو اس بات سے آزاد کر دیا کہ وہ تردد کرے اور اس مصیبت میں مبتلا ہو کر وہ فیصلے دیتا پھرے کہ کون گمراہ ہے اور کون نہیں، اس آیت کا یہ بھی بڑا احسان ہے، اس کی طرف بھی تو نظر چاہئے کہ کتنی بڑی مصیبت سے ہمیں چھٹکارا دلایا ہے۔ جو کام ہمارے بس کے نہیں تھے ان کاموں میں سے ہمیں نجات بخشی اور فرمایا کہ اللہ کا کام ہے اللہ فیصلہ فرمائے گا کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے، ہاں جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم اگر ہدایت یافتہ ہو تو اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ کوشش کرو کہ تمہاری ہدایت پھیلے اور تم جنہیں گمراہ سمجھتے ہو ان تک دیانتداری سے ہدایت کا پیغام پہنچاؤ لیکن داروغگی کا تمہیں اختیار نہیں دیا جائے گا کہ تم عدالت کی کرسیوں پر بیٹھ کر یہ فیصلے دو اور پھر ان فیصلوں کے مطابق ان سے سلوک شروع کر دو۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مقصد جسے بھولنے کے نتیجہ میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یعنی جب خدا کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے کہ وہ ہدایت دے یا ہدایت یافتہ قرار دے، دونوں معانی ہیں اس آیت کے، اللہ ہی کا کام ہے کہ وہ کسی کو اس کے اعمال کی وجہ سے گمراہ کر دے یا گمراہ قرار دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نتائج کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ پر ہے۔ یہ بھی اسی آیت کا ایک مفہوم ہے اور جب خدا کسی کو ہدایت یافتہ قرار دے گا تو پھر ان بندوں کو غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ لوگوں کے پاس جا کر اپنا اجر مانگیں کہ دیکھو ہم ہدایت یافتہ ہیں ہم سے یہ سلوک کرو۔ نہ انہیں علم نہ ان کا کام۔ ہدایت یافتہ قرار دینا یا سمجھنا جس کا کام ہے اور جسے علم ہے وہی اجر بھی عطا فرماتا ہے اور جسے وہ گمراہ ٹھہرا دے اس کی پکڑ سے پھر کوئی دوسری قوم اسے بچا بھی نہیں سکتی۔

چنانچہ ہدایت یافتہ قرار دینا یا گمراہ ٹھہرانا اس طبعی نتیجہ کو بھی چاہتے ہیں کہ کسی کو ہدایت یافتہ قرار دینے کے جو لوازمات ہیں وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی جانتا ہے کہ کس ہدایت یافتہ کو کیا جزا دینی ہے اور اسی طرح وہی بہتر جانتا ہے کہ جس کو اس نے گمراہ قرار دیا اس کی گمراہی کا درجہ کیا تھا۔ اب یہ بھی ایک ایسا پہلو ہے جو بہت باریک در باریک فرق رکھتا چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی واقعتہً گمراہ ہو بھی اور کسی اور کو علم ہو کہ ہاں یہ گمراہ ہے اور اس کا علم سچا ہو تب بھی گمراہی کے بہت سے درجے ہیں۔ کوئی ادنیٰ درجہ کا گمراہ ہے کوئی اس سے بڑا اور کوئی اس سے بڑا اور یہ ایسا سلسلہ ہے شیڈوں (Shades) کا، اتنے فرق ہیں کہ انسان ان پر عبور حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ انسان کو تو اتنی

بھی طاقت نہیں کہ خوشبوؤں کے درمیان جوفرق ہیں انہی پر ہی عبور حاصل کر سکے، انسان کو تو اتنی بھی طاقت نہیں کہ بد بوؤں کے درمیان جوفرق ہیں ان پر عبور حاصل کر سکے، رنگوں میں بھی بہت فرق ہیں اور اتنے Hues and Shades ہیں اور پھر ان میں باریک در باریک سایہ بہ سایہ فرق پڑتے چلے جاتے ہیں کہ انسان کو ابھی تک یہ طاقت بھی نہیں کہ ان کے الگ الگ نام ہی رکھ سکے اور پوری طرح بتا سکے کہ کس دوسرے رنگ کی آمیزش سے یہ شیڈ بنتا ہے اور اس سے اگلا اور پھر اس سے اگلا شیڈ کس طرح بنے گا۔ ابھی انسان اس علم میں جستجو کر رہا ہے اور عبور تو کسی حالت میں بھی کسی علم پر بھی نہیں ہو سکتا۔ تو کیا ہدایت اور گمراہی ہی کوئی ایسی چیزیں ہیں کہ سب ایک ہی معیار کی ہوں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی اس کائنات میں اتنا تنوّع ہے اور اس طرح کائنات کا ہر شعبہ پھیلتا چلا جاتا ہے اور اندرونی طور پر منقسم ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس کی کوئی حد و بست ہی نہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان بیچارے کو کیا علم ہے، جب تک خدا نہ چاہے اور جتنا خدا چاہے اس سے زیادہ علم انسان حاصل ہی نہیں کرسکتا۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (البقرہ: ۲۵۶) کہ انسان ایسا کم عقل اور کم علم ہے کہ لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ایک ذرہ علم کا بھی ایسا نہیں جس پر وہ احاطہ کر سکے۔ ہاں اتنا سا علم اسے ضرور مل جاتا ہے جتنا خدا چاہے کہ ہاں میں دینا میں چاہتا ہوں۔ وہ اپنے زورِ بازوؤں سے خدا تعالیٰ سے علم حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ تو جب انسان کی ناطاقتی اور بے بضاعتی کی یہ کیفیتیں ہوں اور پھر خدا تعالیٰ نے اس پر یہ فضل بھی فرما دیا ہو اور اسے ان جھنجھٹوں سے آزاد بھی کر دیا ہو کہ تمہارا کام ہی نہیں، تم چپ کر کے بیٹھو یہ ہمارا کام ہے، ہم فیصلے کریں گے، تو پھر انسان کو خواہ مخواہ کیا مصیبت پڑی ہے کہ ان چیزوں میں دخل دے اور اگر کوئی دخل دیتا ہے تو قرآن کریم مومن کو اور ہدایت یافتہ کو اس کے خوف سے بھی آزاد کرتا ہے اور کامل طور پر اطمینان دلاتا ہے کہ اگر کوئی غلطی سے تمہیں گمراہ سمجھ رہا ہے اور غلطی سے اپنے آپ کو داروغہ سمجھ رہا ہے اور غلطی سے یہ سمجھ رہا ہے کہ جسے میں گمراہ سمجھوں اسے گمراہی کی سزا بھی دے سکتا ہوں تو اس سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ (المائدہ: ۱۰۶)

کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ہم تمہیں اصل خطرات سے متنبہ کرتے ہیں، اصل

خطرے تمہیں اپنے نفس کی طرف سے لاحق ہیں اور ہم تمہیں ہر غیر کے خطرہ سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اگر تمہارے نفوس پاک ہیں، اگر تمہارا اندرونہ پاک اور مطہر اور صاف ہے اور اس لائق ہے کہ خدا اس میں نازل ہو، اگر تمہارے اعمال صاف اور سیدھے ہیں اور ان میں چالاکیاں اور گندگیاں شامل نہیں ہیں تو پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کام تم کرلو اور جہاں تک غیروں کا تعلق ہے انہیں ہم سنبھالیں گے۔ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ اگر تم واقعتہً اخلاص اور دیانتداری سے ہدایت پر قائم رہو گے تو لَا يَضُرُّكُمْ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ مَّنْ ضَلَّ جو خود گمراہ ہے وہ لاکھ تمہیں گمراہ سمجھے، گمراہ کہتا رہے، خدا نے اسے اختیار ہی نہیں دیا کہ وہ من حیث القوم تمہیں نقصان پہنچا سکے۔

یہاں كُمْ کا خطاب فرما کر یعنی كُمْ کہہ کر جو خطاب فرمایا اس میں قومی مصالح کا ذکر فرمایا ورنہ انفرادی طور پر تو جب سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصلحین آئے اور نبوت جاری ہوئی ہم ہمیشہ یہی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کی جانیں لی گئیں، دکھ دیئے گئے اور بعضوں کے گھر جلائے گئے۔ تو اس آیت کا ایسا ترجمہ تو ہم نہیں کرسکتے جو سنت اللہ کے خلاف ہو اور قرآن کریم ساری تاریخ اس طرح بیان فرما رہا ہو کہ اس ترجمہ کے وہ مخالف پڑی رہے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا اس لئے قرآن کریم کی روشنی میں ہی قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ تم بحیثیت قوم مخاطب ہو تمہیں جب بحیثیت قوم گمراہ قرار دیا جائے گا اور نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے گی تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے، ہم تمہیں یہ خوشخبری دیتے ہیں اور ہرگز تمہیں قومی طور پر کسی سے دبنے کی اور اس خطرہ کی ضرورت نہیں کہ وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تو یہ ترجمہ جو ہم کرتے ہیں اس کے حق میں قرآن کریم کی ساری تاریخ کھڑی نظر آتی ہے۔ قرآن کریم کی ہر انگلی جو اٹھ رہی ہے وہ اسی ترجمہ کی طرف اٹھ رہی ہے۔ آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک ہزار ہا مرتبہ گمراہ قرار دینے والوں نے یہ آزما کر دیکھ لیا کہ وہ جنہیں گمراہ سمجھتے تھے حالانکہ وہ خدا کے نزدیک ہدایت یافتہ تھے انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو ہر دفعہ ناکام رہے اور من حیث الجماعت ان کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکے اور جب وہ باز نہیں آئے تو اپنا نقصان اٹھایا اور خدا کی نظر میں وہ مغضوب ٹھہرے اور جنہیں اپنے خیال میں وہ مغضوب بنا رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے شر اور فتنوں سے بچا کر ہمیشہ ترقی عطا فرمائی۔

اس بات کا فیصلہ کہ کیا واقعتہً یہ ہو رہا ہے؟ خدا ہی کرتا ہے لیکن انسان کو اس بات کا پابند ضرور کرتا ہے کہ جب اس قسم کے جھگڑے چل پڑیں کہ کون ہدایت یافتہ ہے؟ کون گمراہ ہے؟ اور ان جھگڑوں کا بظاہر کوئی حل نظر نہ آ رہا ہو تو فرمایا تم سب لوگ اپنے اندرونہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تم اپنے قریب ترین ہو جو دشمن تمہیں گمراہ سمجھ رہا ہے وہ سطحی نظر سے دیکھ رہا ہے وہ تو اس بات کا مجاز ہی نہیں کہ تمہیں کچھ کہہ سکے لیکن تم اس بات کے مجاز ہو کیونکہ تم اپنے اندرونہ کو جانتے ہو اس لئے اس سے خوف نہ کرو اپنے نفس سے خوف کھاؤ۔ یہ خیال کرو کہ اگر تمہارے نفس نے تمہیں ملزم کر دیا تو پھر تم نہیں بچ سکو گے اور اگر نفس نے ملزم نہ کیا تو پھر تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ کتنا عظیم الشان اصول ہے جس نے سارے جھگڑوں کو ختم کر دیا۔

ایک اور علامت یہ بیان فرمائی کہ جو ہدایت یافتہ ہو وہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ ظاہری علامت ہے ورنہ اندرونی علامت ہی صرف بیان فرمائی جاتی تو ہر شخص یہ کہنے لگ جاتا کہ ہم نے اپنے نفس میں ڈوب کر دیکھ لیا اور ہمیں سب کچھ صاف نظر آیا ہے، ہم بالکل ٹھیک ہیں اس لئے ہم ہدایت یافتہ ہیں اور ہمارا دشمن اور مدمقابل گمراہ ہے، تو ایک اور جھگڑا شروع ہو جاتا۔

قرآن کریم ایک کامل کتاب ہونے کے لحاظ سے ہر مضمون کے ہر پہلو کو بیان فرماتا ہے اور ہر خطرہ کو پیش نظر رکھ کر اس کا حل پیش کرتا ہے۔ فرمایا جہاں تک تمہاری ذاتوں کا تعلق ہے تم اپنے گواہ خود بن جاؤ اور جہاں تک غیروں کی نظر میں فیصلے کا تعلق ہے تو بہت کھلی کھلی بات ہے ہم گمراہوں کی یہ نشانی بتاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہدایت یافتہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

پس آفاقی نظر سے دیکھنے والوں کے لئے یہ ایک علامت مقرر فرما دی۔ کیسی حیرت انگیز کتاب ہے! جوں جوں آپ اس پر غور کریں اس کے عاشق ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کسی مضمون کا کوئی باریک سے باریک پہلو ایسا نہیں ہے جو یہ آپ پر کھولتی نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ یہ جھگڑے تو چندروزہ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے بعض ان فیصلوں کو نہ دیکھ سکیں جو خدائی تقدیر ظاہر کرے گی۔ کسی کی عمر کی مدت کم ہے کسی کی زیادہ ہے اور جہاں تک قومی زندگیوں کا تعلق ہے وہ تو بعض دفعہ کئی نسلوں پر پھیلنے کے بعد پھر وہ یہ دیکھتی ہیں کہ کیا فیصلہ ہوا ہے، ہمارے حق میں ہوا ہے یا ہمارے خلاف۔ یعنی قومی

جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں، اختلافات شروع ہو جاتے ہیں اور ایک نسل کو بھی یہ توفیق نہیں ملتی کہ وہ دیکھ سکے کہ خدا کا فیصلہ ہمارے حق میں تھا یا ہمارے خلاف تھا۔ دوسری نسل کو بھی یہ توفیق نہیں ملتی، تیسری کو بھی نہیں ملتی جو اہل ہدایت ہیں وہ جان رہے ہوتے ہیں لیکن جو ہدایت پر نہیں ہیں انہیں کچھ پتہ نہیں لگ رہا ہوتا، انہیں تو جب تک خدا تعالیٰ کی جبروت کا ظاہری طور پر اظہار نہ ہو، جب تک خدا کے اقتدار اور اس کے عزیز ہونے کا اظہار نہ ہو، اس وقت تک وہ سمجھ نہیں سکتے کہ کیا فیصلہ ہوا۔

چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں دنیا دار قوموں کو دیکھنے کے لئے کہ خدا کی تقدیر کس کے حق میں ظاہر ہوئی ہے اور کس کے خلاف ظاہر ہوئی ہے، تین سو سال تک انتظار کرنا پڑا تو ایک مومن کو جو یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، مومن کو تو خطرہ ان معنوں میں لاحق نہیں ہوتا جس طرح کافر کے لئے یہ مشکل ہے، وہ بے چارا ظاہری علامتوں کا انتظار ہی کرتا رہتا ہے اور فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن مومن کے لئے ایک اور طرح سے یہ ابتلا بنتا ہے۔ اس کے دل میں یہ تمنا بے قرار ہوتی ہے کہ کاش میں بھی اپنی زندگی میں دیکھ لوں کہ خدا کی تقدیر ہمارے حق میں ظاہر ہوئی تھی اور ان کے حق میں نہیں اور دعائیں کرتا ہے اور گریہ وزاری کرتا ہے کہ اے خدا! مجھے بھی اپنی آنکھوں سے اپنے دین کا غلبہ دکھا دے تو فرماتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر ایک دیکھ سکے۔ کئی نسلیں بے چاری ان دعاؤں کے ساتھ گزر جاتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تسلی دیتا ہے کہ تمہیں فکر کی کوئی بات نہیں اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا تم سارے کے سارے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ اس دنیا میں تم چاہتے تھے کہ اپنے غیروں پر ایک فتح مندی کا احساس تمہارے اندر پیدا ہو اور تم آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں کہہ سکو کہ ہم سچے تھے اور تم جھوٹے تھے۔ یہی چاہتے ہو نا! تو فرماتا ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ایک ایسا دن آنے والا ہے کہ جب تم بھی اور تمہارے مخالفین بھی ہدایت یافتہ اور ہدایت یافتوں کو گمراہ کرنے والے اور گمراہ قرار دینے والے بھی سارے خدا کے حضور اکٹھے ہوں گے، پہلے بھی اکٹھے ہوں گے اور بعد میں آنے والے بھی اکٹھے ہوں گے، مشرقی بھی اکٹھے ہوں گے اور مغربی بھی اکٹھے ہوں گے، شمال کی قومیں بھی حاضر ہوں گی اور جنوب کی قومیں بھی حاضر ہوں گی اتنے بڑے میدان میں تمہاری فتح کا اعلان کیا جانے والا ہے۔ پھر تم کیوں ڈرتے ہو؟ پھر تمہیں کس بات کا خوف کہ تمہاری زندگی کے دن تھوڑے ہیں؟ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ کہ اللہ تمہیں خبر دے گا وہ تمہیں سب کو بتائے گا کہ تمہارے اعمال خدا تعالیٰ کے نزدیک کیا درجہ رکھتے تھے۔

پس مومن کے لئے تو قرآن بہت کافی کتاب ہے، آغاز سے لے کر انجام تک کے سارے حالات جو بیان کرنے کے لائق ہیں وہ بیان کر دیتا ہے۔ اس ایک ہی آیت میں مبتدی کے پہلے قدم سے جو اس کے لئے اس کے ذہن میں سوالات اٹھ رہے تھے ان کا حل کرنا شروع کیا اور آیت میں ہی انجام تک کی باتیں بتا دیں۔ اتنی دور کی باتیں بتا دیں جن کا زندگی سے تعلق ہی کوئی نہیں وہ مرنے کے بعد کی باتیں ہیں، آغاز سے انجام تک کی بات کرنے والی یہ چھوٹی سی آیت ہدایت کے ہر مضمون پر حاوی نظر آ رہی ہے، سارے مسائل حل کر رہی ہے اور ابھی اس کے بہت سے حسین پہلو مخفی ہیں جن تک ہر انسان کی ہر وقت نظر نہیں پہنچ سکتی۔ یہ آیت حسب حالات ان پہلوؤں کو خود ہی ظاہر فرماتی چلی جائے گی۔

پس جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے میں انہیں بار بار بڑے زور اور قوت کے ساتھ کہتا ہوں کہ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ جب بھی آپ یہ آواز بلند ہوتی دیکھیں، وہ مشرق سے بلند ہو یا مغرب سے، شمال سے ہو یا جنوب سے کہ تم گمراہ ہو تو پہلا فرض جو تم پر عائد کیا گیا ہے اور پہلا تقاضا جو قرآن مجید تم سے کرتا ہے وہ یہ ہے عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ فوراً اپنے نفس کے محاسبے کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ جب دھمکیاں دی جاتی ہیں تو بعض دفعہ کچھ نقصان بھی پہنچتے ہیں، تم اپنے نفوس کا محاسبہ کرو، اگر تم متقی ہو، اگر تمہارا دین اللہ کے لئے خالص ہے تو پھر خدا فرماتا ہے کہ ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیشہ جب خطرات کے بادل گرجتے ہیں تو انسان گردوپیش کا محاسبہ کیا کرتا ہے۔ ظاہری طور پر بھی جب بادل گرجتے ہیں کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ لوگ بعض دفعہ کوٹھوں کی چھتوں پر چڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کہیں سوراخ تو نہیں رہ گیا، یہ نہ ہو کہ بارش ہو جائے اور اس وقت ہم پکڑے جائیں پھر باہر جانے کا بھی وقت نہ رہے۔ تو ہر معقول آدمی گرجتے ہوئے بادلوں سے وقت پر فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے حالات کا جائزہ لیتا ہے جو خطرے کے رستے ہیں ان کو بند کرتا ہے اور ہر قسم کی ضروریات اور زادراہ کو اکٹھا کر لیتا ہے۔ آپ نے کبھی کیڑیوں کو نہیں دیکھا کہ خدا نے انہیں بھی یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ جب موسم بدل رہے ہوتے ہیں، جب بادل گرج رہے ہوتے ہیں

اس وقت ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان کیڑیوں کو خدا تعالیٰ نے یہ بھی توفیق بخشی ہے کہ ابھی وہ گرج بھی نہیں رہے ہوتے تو ان کو پتہ لگ جاتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے اور وہ اپنے سوراخوں سے اپنی بلوں سے ضرورت کی چیزوں کو اونچی جگہوں کی طرف منتقل کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ آپ نے کئی دفعہ دیکھا ہوگا کہ بعض دفعہ یوں لگتا ہے کہ اچانک کیڑیوں کو یہ جنون اٹھ گیا ہے کہ وہ اپنے انڈے اٹھا اٹھا کر بلوں سے لے کر دیواروں پر چڑھ رہی ہوتی ہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ان میں یہ ملکہ رکھا ہے کہ وہ آنے والے خطرات کو بھانپ لیتی ہیں اور اس کے مطابق پھر وہ کارروائی شروع کر دیتی ہیں۔ تو گرجتے ہوئے بادلوں کے وقت انسان بھی حسب توفیق کوشش کرتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ تم نے کیا کرنا ہے، تم نے اپنے دل کے صحنوں کو صاف کرنا ہے، تم نے اپنے تقویٰ کا خیال کرنا ہے، تم نے یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تم نے یہ دیکھنا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو پوری طرح ادا بھی کر رہے ہو کہ نہیں۔ اگر حسب توفیق تم مخلص ہو، اگر حسب توفیق تم خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھانے کی کوشش کرتے ہو، اگر تمہارا رخ اپنے مولیٰ ہی کی طرف ہے تو پھر اللہ تمہیں بتاتا ہے اور اللہ تمہیں تسلی دیتا ہے کہ ہرگز تمہارا غیر، تمہیں گمراہ قرار دینے والا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، تم خدا کی حفاظت میں ہو، تم اللہ کی رحمت کے سائے تلے ہو، تم اللہ کے فضلوں کے وارث بنائے جانے والے ہو اس لئے یہ بارش یہ بادل جو گرج رہے ہیں یہ تمہارے لئے بجلیاں لے کر نہیں آئیں گے بلکہ تمہارے پر رحمتوں کی بارش کر کے واپس جائیں گے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۴؍دسمبر ۱۹۸۳ء)